

امام جعفر صادق اور فکری جمود سے مقابلہ

<?xml encoding="UTF-8?">

تقریر کا موضوع ” امام جعفر صادق علیہ السلام اور فکری جمود سے مقابلہ“ ہے یعنی ہماری گفتگو کا موضوع یہ قرار دیا گیا ہے کہ امام صادق علیہ السلام اپنے دور میں فکری جمود سے کس طرح نبرد آزما ہوئے ۔

فکری جمود اور روشن فکری

فکری جمود کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی مسئلہ سے باخبر ہونے کے بعد اس سے متعلق دلائل فراہم کرے اور کسی نتیجہ تک پہنچ کر اسے اپنا عقیدہ بنالے پھر اس مسئلہ سے متعلق کسی مزید گفتگو یا اس کے خلاف کوئی دلیل سننے کے لئے آمادہ نہ ہو، یعنی اسی عقیدہ پر اپنی فکر کو محدود کر لے۔ اسی طرح جب فکری جمود کی لفظ استعمال کی جاتی ہے تو اس سے کچھ قدامت پسندی کی بھی بو آتی ہے، یعنی فکری جمود کا حامل شخص قدامت پسند ہوتا ہے، قدیم افکار میں گم ہوتا ہے اور کوئی نئی بات سننے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ فکری جمود کے مقابلے میں روشن فکری کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ روشن فکر اسے کہتے ہیں جو کھلی اور روشن فکر کا مالک ہو یعنی پڑھا لکھا ہو، اچھا مطالعہ رکھتا ہو اور نئی بات مان لیتا ہو۔ ہمارا موضوع ہے کہ امام صادق علیہ الصلوٰۃ و السلام نے فکری جمود سے کیسے مقابلہ کیا لیکن میرے خیال میں امام صادق علیہ السلام کا دور فکری پرورش کا دور تھا، البتہ چند ایک گروہ جامد فکر بھی رکھتے تھے جن سے آپ نے مقابلہ کیا ہے لیکن عام طور سے آپ کا دور ایک فکری نقل و انتقال اور تبادلہ آراء کا دور تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ سیاسی نظام میں تبدیلی آچکی تھی۔ جیسا کہ آپ کے علم میں ہے کہ ہمارے ائمہ میں صرف امام صادق (ع) ہی وہ تنہا امام ہیں جنہوں نے بنی امیہ اور بنی عباس دونوں کا دور حکومت دیکھا ہے اور دونوں ادوار میں موجود رہے ہیں۔

۱۱۲ھ میں امام محمد باقر علیہ السلام کی شہادت ہوئی جس کے بعد امام صادق علیہ السلام منصب امامت پر فائز ہوئے۔ ۱۳۲ھ میں بنی عباس بنی امیہ کا قلع قمع کر کے خود تخت حکومت پر قابض ہو گئے۔ تاریخ میں ہم نے یہ مشاہدہ کیا ہے کہ جس وقت کوئی نئی حکومت آتی ہے اور طویل مدت تک حکومت کرنا چاہتی ہے تو وہ اپنے طرز فکر سے ہم آہنگ کلچر اور ماحول پیدا کرتی ہے پھر جب تک وہ حکومت رہتی ہے اس کا ایجاد کردہ طرز فکر اور ماحول بھی باقی رہتا ہے اور جب وہ حکومت ختم ہو جاتی ہے تو اس کے ساتھ ساتھ اس کا بنایا ہوا ماحول اور طرز فکر بھی جاتا رہتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے نئے سیاسی نظام کے ساتھ ساتھ نیا طرز فکر بھی لوگوں میں آجاتا ہے۔ اس کی زندہ مثال عراق ہے جہاں تیس چالیس سال تک بعث پارٹی برسر اقتدار رہی ہے۔ اس نے اپنا پسندیدہ کلچر اور طرز فکر رائج کر رکھا تھا۔ بہت سارے جوانوں کی تربیت اپنے ماحول کے مطابق کی تھی۔ صدام نے جمہوری اسلامی پر جو جنگ تھوپی تھی اس کے شروع کے چند سالوں میں اسے اس لئے برتری مل رہی تھی کہ اس نے آرمی ٹرینیڈ کر رکھی تھی اور ان میں اس نے بعث پارٹی کا کلچر کوٹ کوٹ کر بھر رکھا تھا۔ وہ صدام ہی کی طرح سوچتے تھے لیکن اب عراق میں بعثی نظام ختم ہوا ہے تو تہذیبی لحاظ

سے بھی ایک نیا ماحول پے دا ہو گیا ہے۔ اب گردوں کو بھی بولنے کا موقع مل گیا ہے ، سنی بھی اپنی بات کہہ رہے ہیں اور شیعہ بھی خاموش نہیں ہیں ، ہر گروپ اپنی بات کہہ رہا ہے۔ یہ ایک تجربہ کی بات ہے ایران میں بھی انقلاب کی کامیابی کے بعد ایک نئی فضا اور نیا ماحول بن گیا تھا ۔

عصر امام صادق علیہ السلام

امام صادق علیہ السلام کے زمانے میں جب بنی امیہ کی حکومت ختم ہو گئی تو ان کا ایجاد کیا ہوا طرز فکر اور ان کی بنائی ہوئی تہذیب بھی ختم ہو گئی۔ جب بنی عباس نے اقتدار سنبھالا تو ان کے افکار اور بنی امیہ کے افکار میں کافی فرق تھا۔ یہ اپنی جدید فکر پے ش کرتے تھے پھر اسی دور میں جیسا کہ ہم نے سیرئہ پیشوایان میں بھی تذکرہ کیا ہے، تھوڑا بہت یونانی کتب کے ترجمہ کا باب کھل گیا تھا۔ مسلمانوں نے یونانی فلاسفہ کے اقوال و کتب کا ترجمہ کرنا شروع کر دیا ، مختلف مذہبی فرقے پیدا ہوئے ، آزادیؑ فکر کا ماحول بنا ، بحث و مناظرے ہونے لگے ۔ اس طرح مختلف گروہ اور مختلف فرقے وجود میں آ گئے ۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سب بنی عباس کی دین تھی لیکن شہید مطہری فرماتے ہیں کہ آزادی فکر تبادلہ خیال ، گفتگو، بحث اور استدلال، یہ سب اسلام کی برکات تھیں ، نہ یہ کہ بنی عباس کی دین تھی ۔ ہاں ! بنی عباس نے اتنا کیا کہ ان سب پر پابندی نہیں لگائی ۔ بنی امیہ نے تو لوگوں کا دم گھونٹ رکھا تھا۔ وہ صرف اپنی فکر رائج کرنا چاہتے تھے لیکن بنی عباس نے ایسا نہیں کیا جس کی وجہ سے اسلام میں موجود آزادیؑ فکر ، بحث و گفتگو اور استدلال کو راستہ ملا تو اس نے رشد کرنا شروع کر دیا۔ اس طرح آپ کے زمانے میں ایک عجیب ماحول پیدا ہو گیا تھا۔ میرا اپنا خیال یہ ہے کہ امام صادق علیہ السلام کا دور وسعت فکری کے ساتھ ساتھ فکری تناؤ کا بھی دور تھا یا شہید مطہری کے بقول آپ کے دور میں ادیان و مکاتب اور افکار و نظریات کا بازار گرم تھا ۔ جو شخص چاہتا تھا بولتا تھا لہذا اسلام واقعی یعنی مکتب تشیع کے وارث امام صادق علیہ السلام کو حقیقی اسلام کی حمایت اور ترویج میں صرف ایک دو محاذ پر مقابلہ نہیں تھا بلکہ آپ کو کئی ایک فکری محاذ سر کرنے پڑ رہے تھے ۔

امام صادق علیہ السلام کا دھریوں سے مقابلہ

ان میں فکری جمود رکھنے والے کچھ زندیق اور دھریئے تھے جن کا وہی کہنا تھا جو رسول (ص) کے دور کے دھریئے کہتے تھے ”اِنْ هٰی اِلَّا حٰیٰتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَ نَحْیٰی وَ مَا یَهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ“ آج کے دور کے مادّہ پرستوں کی طرح وہ کہتے تھے کہ محسوسات کے علاوہ ہم کسی چیز کے وجود کے قائل نہیں ہو سکتے ۔ معقولات کوئی چیز نہیں ہے ۔ جس چیز کو ہم چھوتے ہیں ، دیکھتے ہیں ، سنتے ہیں یا چکھتے ہیں اسی کو مانتے ہیں ۔ تو یہ اس دور کے میٹریالیسٹ یا مادّہ پرست تھے جن کو زندیق یا دھریہ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا ۔ امام صادق علیہ السلام کو جن فکری گروہوں سے مقابلہ کرنا تھا ان میں بہت زیادہ فکری جمود رکھنے والا گروہ یہی تھا۔

امام صادق علیہ السلام اور مکتب ابو حنیفہ

آپ کے سامنے ایک دوسرا محاذ فقہ میں قیاس کے ماننے والوں کا تھا۔ اس گروہ کے سرغنہ ابو حنیفہ تھے۔ ابو حنیفہ ذاتی رائے اور قیاس کی بنیاد پر فتویٰ دیا کرتے تھے۔ علماء اہل سنت بھی مانتے ہیں کہ ایک قول کے مطابق ابو حنیفہ کو صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں۔ کچھ اس سے بھی زیادہ بڑھ کے بولے ہیں۔ مقدمہ ابن خلدون میں ابن خلدون کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ احادیث سے کم کام لیتے تھے اور وہ اس لئے کہ شاید ان کی نظر میں بیشتر احادیث غیر معتبر تھیں۔ بھر حال اتنا طے ہے کہ ابو حنیفہ کو بہت تھوڑی سی حدیثیں یاد تھیں، یہ اور بات ہے کہ ابن خلدون نے خوش فہمی سے کام لیتے ہوئے اسے ایک دوسرا رخ دے دیا ہے کہ ابو حنیفہ کے نزدیک احادیث معتبرہ بہت کم تھیں۔ چونکہ ماضی میں جنگ و جدال اور صنع حدیث کا دور تھا اس لئے ابو حنیفہ ان احادیث کو معتبر نہیں سمجھتے تھے اور احکام شریعت میں اپنی ذاتی رائے اور قیاس سے کام لیتے تھے۔ اس طرح امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے ایک محاذ ان لوگوں کا تھا جو احکام میں قیاس کے قائل تھے۔

امام صادق علیہ السلام اور مشتبہ

ایک دوسرا فکری محاذ ان لوگوں کا تھا جنہیں مشتبہ کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ خدا کو انسان سے تشبیہ دیتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ خدا کے اعضاء ہیں، جسم اور آنکھیں ہیں۔ قرآن میں موجود اس طرح کی آیات کو ان کے ظاہر پر حمل کرتے تھے مثلاً ”واللہیسمع تحاورکما“ اے پیغمبر تمہارے پاس جو عورت اپنے شوہر کی شکایت لے کر آئی تھی خدا تم لوگوں کی باتوں کو سن رہا تھا۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا سن رہا تھا یعنی اس کے کان ہیں، یا مثلاً ”الرحمن علی العرش استوی“ کہتے ہیں یعنی الرحمن عرش پر اپنا مکان رکھتا ہے۔ ابن تیمیہ منبر پر بیٹھ کر کہتا ہے: ”الرحمن علی العرش استوی“ کا مطلب یہ ہے کہ جیسے میں اس وقت منبر پر بیٹھا ہوں ایسے ہی خدا عرش پر بیٹھتا ہے۔ یہ سب باتیں ان کی کتابوں میں بھی موجود ہیں اور اب بھی وہ یہ باتیں زور دے کر کہتے ہیں، یا مثلاً قیامت کے بارے میں خدا فرماتا ہے ”وجاء ربک والملک صفاً صفا“ اے پیغمبر! روز قیامت تمہارا رب اور ملائکہ صف در صف آئیں گے، ہم شیعہ اور معتزلہ کہتے ہیں کہ یہاں پر ”امر“ پوشیدہ ہے یعنی امر خدا اور ملائکہ، جبکہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ نہیں یہ امر وغیرہ تم نے اپنی طرف سے گڑھ لیا ہے، خدا کہتا ہے ”وجاء ربک“ یعنی خود خدا آئے گا۔ کہتے ہیں کہ دنیا میں خدا دیکھا نہیں جاسکتا لیکن آخرت میں جب وہ خود آئے گا تو سب اس کا دیدار کریں گے۔ اس طرح کے لوگ امام صادق علیہ السلام کے زمانہ میں تھے۔

امام صادق علیہ السلام اور مرجئہ

ایک اور خطر ناک گروہ تھا جس کا نام ”مرجئہ“ تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ بنی امیہ ان لوگوں کی پشت پناہی کرتے تھے اور اگر بنی امیہ ان کی پشت پناہی نہ بھی کرتے رہے ہوں تب بھی ان کے اور بنی امیہ کے رجحانات ایک

جیسے تھے۔ ان کے نظریات بنی امیہ کے لئے بڑے فائدہ مند ثابت ہوئے۔ ان کا کہنا تھا کہ ایمان ایک امر قلبی ہے۔ دل میں ایمان ہو بس کافی ہے یعنی کسی شخص کے دل میں ایمان ہو عمل میں چاہے بت پرستی کرے، شراب پیئے یا کچھ بھی کرے اس کے ایمان کو کوئی نقصان پہنچنے والا نہیں ہے۔ یہ نظریہ بنی امیہ کے لئے بڑا مفید ثابت ہوا۔ وہ اس نظریہ کی بہت ترویج کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر ہم نے کوئی غلط کام کیا ہے یا گناہ کیا ہے تو اس سے ہمیں یا ہمارے ایمان کو کوئی ضرر پہنچنے والا نہیں ہے۔ اس طرح امام علیہ السلام کے سامنے فکری محاذ پر ایک دو گروہ نہیں تھے بلکہ کئی ایک گروہوں سے آپ برسر پیکار تھے۔

روش مبارزہ

اب جائزہ لیتے ہیں کہ امام علیہ السلام ان تمام گروہوں سے کس طرح مقابلہ کرتے تھے۔ امام علیہ السلام در حقیقت دو طرح سے ان لوگوں کا مقابلہ کرتے تھے؛ ایک یہ کہ خود براہ راست ان کے مقابلے میں آتے تھے، دوسرے یہ کہ آپ شاگرد تربیت کرتے تھے اور آپ کے شاگرد جاکر بحث کیا کرتے تھے لیکن آپ کا مقابلہ منطقی اور استدلالی ہوا کرتا تھا۔ کبھی حضرت ایک فکری جھٹکا دے دیا کرتے تھے کہ سامنے والا کچھ سوچنے پر مجبور ہو جائے اور کم از کم احتمال تو دے کہ میری بات غلط بھی ہو سکتی ہے۔ فکری اعتبار سے منجمد شخص اپنی بات کے غلط ہونے کا احتمال تک نہیں دیتا لہذا حضرت ان کو فکری جھٹکا دیا کرتے تھے کہ کم از کم دل میں اپنی بات کے غلط ہونے کا احتمال پیدا ہو جائے اور پھر یہی احتمال ایک محرک بن کر انسان کو اپنے خیال پر نظر ثانی کرنے کے لئے مجبور کر دے۔

حضرت عام طور سے استدلالی انداز سے وارد میدان ہوتے تھے اور استدلال کبھی عقلی ہوتا تھا تو کبھی نقلی، کبھی جدل کی شکل میں تو کبھی منطقی۔ حضرت کبھی خود براہ راست ان کے بڑوں کے مقابلے میں جاتے تھے جن کا اصرار ہوتا تھا کہ خود حضرت سے بحث کریں اور کبھی ان شاگردوں کو میدان میں بھیجتے تھے جن کی آپ نے تربیت کر رکھی تھی یا تربیت کر رہے تھے۔ یہ مطلب بھی قابل ذکر ہے کہ ایک قول کے مطابق امام جعفر صادق علیہ السلام یونیورسٹی میں طلاب کی تعداد چار ہزار تھی۔ مرحوم شیخ مفید نے فرمایا ہے کہ یہ چار ہزار شاگرد مختلف موضوعات میں تربیت شدہ تھے۔ کلام اور مناظرات کلامی میں ہشام بن عبدالملک، ہشام بن سالم یا مومن طاق، فقہ میں محمد بن مسلم، زرارۃ ابن اعین اور زرارۃ کے بھائی حمران بن اعین، ادبیات میں آبان بن تغلب اور اس طرح دسیوں دوسرے افراد کہ جن کا تذکرہ ہم نے سیرئہ پیشوایان میں بھی کیا ہے، مختلف علوم میں مہارت رکھتے تھے۔ حضرت نے مختلف موضوعات میں (Specialization) یعنی تخصصی سلسلہ قائم کیا تھا۔ فقہ، کلام، تفسیر، حدیث، علم قرائت اور ادبیات وغیرہ اور جس علم میں بھی کوئی شخص رجوع کرتا تھا تو آپ اسے اپنے شاگردوں کی طرف بھیج دیتے تھے۔ ایک جگہ ملتا ہے کہ ایک آنے والے کا اصرار تھا کہ خود حضرت سے بحث کرے گا۔ حضرت نے اس سے فرمایا: اگر تو نے میرے اس شاگرد کو شکست دے دی گو یا مجھے شکست دے دی۔ آپ اس طرح کے ماهر شاگردوں کی تربیت کر رہے تھے۔

اب حضرت کے مخالفین سے مقابلہ کے کچھ نمونوں کا جائزہ لیتے ہیں۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اس زمانے میں ایک گروہ دھریوں اور زندیقیوں کا تھا جو کسی بھی صورت میں خدا کو نہیں مانتے تھے۔ زندیق کی لغت کے بارے میں بعض کا خیال ہے کہ یہ کلمہ فارسی سے ماخوذ ہے۔ حال ہی میں ناچیز کی ایک کتاب ”تاریخ اسلامی“ کے نام سے یونیورسٹی نے شائع کی ہے۔ اس کتاب میں ہم نے پے غمبر اسلام (ص) کے زمانے کے ادیان و مذاہب کے بارے میں بحث کی ہے اسی ضمن میں زندیق بھی زیر بحث آئے ہیں۔ اس کے حاشیہ میں بحث کی گئی ہے کہ یہ کلمہ زندیق کہاں سے آیا ہے۔

انہیں زندیقوں میں ایک شخص عبدالکریم بن ابی العوجاء تھا جس کی معلومات کافی زیادہ تھیں اور وہ بہت ہی شاطر دماغ کا مالک تھا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ حضرت کے شاگرد اس سے بحث کرنے میں اپنی بات ثابت نہ کر پاتے تو حضرت ہدایت کرتے تھے اور یہ جاکر اسے جواب دیتے تھے، پھر وہ کہتا تھا کہ یہ بات جو تم کہہ رہے ہو وہ تمہارے ذہن کی نہیں ہے۔ یہ حجاز سے آئی ہے، یعنی تم امام صادق علیہ السلام سے پوچھ کر آئے ہو۔ یہ تمہارے اپنے ذہن کی پیداوار نہیں ہے۔

مومن طاق جو کوفہ (عراق) میں رہتے تھے، انہیں حضرت کی خدمت میں حاضری کا موقع کم ملتا تھا۔ ایک روز مدینہ (حجاز) میں حضرت کی خدمت میں پہنچے اور عرض کرنے لگے مولا! ابن ابی العوجاء سے بحث چل رہی ہے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ کیا ایسا نہیں ہے کہ جو شخص کسی چیز کو بنائے وہ اس کا خالق ہوا کرتا ہے؟ میں نے کہا ہاں! ایسا ہی ہے تو اس نے کہا کہ دو مہینہ مجھے وقت دو میں تمہارے سامنے ایک ایسی مثال پیش کروں گا جس سے تمہیں اندازہ ہوگا کہ میں بھی خالق ہوں۔ تم کہتے ہو خدا ایک ہے اور وہی خالق ہے لیکن میں تمہیں بتاؤں گا کہ نہیں ایک دوسرا خالق بھی ہے اور وہ ابن ابی العوجاء ہے۔ امام نے فرمایا اس نے جو تم سے دو مہینہ کی مہلت مانگی ہے اس میں وہ دو بھیڑ کی کھالوں میں گندگی بھر کے رک دے گا اور پھر دو مہینے میں اس گندگی سے کیڑے ہی کیڑے پیدا ہو جائیں گے پھر وہ ان کھالوں کو لے کر تمہارے پاس آئے گا اور کہے گا کہ ان کیڑوں کو میں نے خلق کیا ہے۔ قرآن نے جس بات پر زیادہ تاکید کی ہے کہ خدا خالق موت و حیات ہے خصوصاً حیات کے بارے میں زیادہ تاکید ہے، ”فاذا نفخت فیہ من روحی“ روح میری جانب سے ہے اور ابن ابی العوجاء اس بات کو رد کرنا چاہتا ہے کہ خالق فقط ایک ہے۔ وہ کہے گا کہ دیکھو یہ کیڑے زندہ موجود ہیں اور انہیں میں نے خلق کیا ہے۔ تم مسلمان کہتے ہو کہ خالق ایک ہے جبکہ میں بھی ان کیڑوں کا خالق ہوں۔ حضرت نے فرمایا جب یہ ان کھالوں کو لے کر تمہارے پاس آئے تو تم کہنا کہ ہم اگر کہتے ہیں کہ خدا خالق ہے تو ساتھ میں یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ اپنی مخلوقات سے آگاہ ہے اور بنیادی طور پر ہر صانع اپنی مصنوع سے باخبر ہوتا ہے۔ خدا کو اپنی مخلوقات کی ہر بات کا علم ہے خواہ وہ چھوٹی سی بات ہو یا بڑی۔ اسے پتہ ہے کہ میری کون سی مخلوق نر ہے اور کون سی مادہ۔ اب تم اگر اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ ان کیڑوں کو تم نے خلق کیا ہے تو بتاؤ ان میں سے کتنے مذکر ہیں اور کتنے مونث۔

مومن طاق ایک دو ماہ بعد جب کوفہ لوٹے تو ابن ابی العوجاء کا وقت معینہ آگیا تھا اور جیسا کہ حضرت نے پیشنگوئی کی تھی ابی العوجاء گندگی سے بھری بھیڑ کی دو کھالیں لے کر آن پہنچا اور کہنے لگا مومن طاق! اب وقت آگیا ہے تمہیں تمہارے دعوے سے منحرف کرنے کا۔ مومن نے کہا: کہو کیا بات ہے؟! اس نے کہا دیکھو!! اور نے بھیڑ کی کھال کھول دی جو کیڑوں سے بھری ہوئی تھی۔ کہنے لگا دیکھو یہ زندہ موجودات ہیں اور انہیں میں

نے خلق کیا ہے۔ تم جو یہ کہتے ہو خالق فقط خدا ہے، غلط ہے۔ مومن طاق بھی کہ جو امام صادق (ع) سے سیکہ کر آئے تھے، کہنے لگے: ہر خالق کو اپنی مخلوق کا علم ہوتا ہے۔ تم یہ کہتے ہو کہ ان کیڑوں کو تم نے خلق کیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو یہ بتاؤ کہ ان میں سے کتنے مذکر ہیں اور کتنے مونث؟ اس نے اس طرف سوچا تک نہ تھا کہنے لگا: یہ بات تو بڑی عجیب ہے لیکن یہ بات تمہاری نہیں ہے۔ اسے کوئی قافلہ مدینہ سے لے کر آیا ہے یعنی تم نے یہ بات جعفر بن محمد (علیہما السلام) سے سیکھی ہے۔ پس حضرت کا ایک طریقہ یہ تھا کہ آپ تشریح کرتے تھے شاگردوں کو طریقہ بتاتے تھے حتیٰ آپ کے وہ شاگرد جو دور رہتے تھے ان کو بھی آپ تعلیم دیتے اور تربیت کرتے تھے۔

ابن ابی العوجاء کبھی اصحاب امام سے مناظرہ کرتا تھا تو جلدی ہار نہیں مانتا تھا۔ نئی سے نئی بات بنا لاتا تھا اور کبھی کبھی حد سے تجاوز کر جاتا تھا مثلاً خدا و پیغمبر کا انکار کرتا تھا تو امام کے اصحاب کا پیمانہ صبر لبریز ہو جاتا تھا اور غصہ میں آجاتے تھے پھر وہ کہتا تھا کہ تمہارے آقا جعفر ابن محمد (علیہما السلام) تو اس طرح نہیں ہیں؟ میں ان کے سامنے اس سے بھی بری باتیں پیش کرتا ہوں مگر وہ کبھی غصہ نہیں ہوتے۔ وہ بیٹھتے ہیں اور بحث کرتے ہیں۔

ایک بار امام صادق علیہ السلام مکہ میں خانہ کعبہ کے طواف میں مشغول تھے۔ ابن ابی العوجاء آیا اور امام کی طرف رخ کر کے کہنے لگا اس میں کون سی بات ہے کہ آپ بار بار اس کا چکر لگاتے ہیں، پھر کہتا ہے کہ یہ گھر پتھر ہی سے تو بنا ہے جس کے گرد آپ لوگ گھومتے ہیں۔ اس پتھر میں اور اُس پتھر میں کیا فرق ہے جس کا بت بنا کر اس کی پوجا کی جاتی ہے۔ وہ لوگ پتھر کے بتوں کو پوجتے ہیں اور آپ لوگ پتھر کے بنے اس گھر کو خانہ خدا مان کر اس کا طواف کرتے اور اس کے گرد گھومتے ہیں۔ اس کا کیا فائدہ ہے؟ حضرت نے دیکھا کہ یہاں استدلال پیش کرنے کا مناسب موقعہ نہیں ہے لہذا آپ نے فرمایا ”اے ابن العوجاء! ہم جو کہتے ہیں کہ خدا ہے، بہشت ہے، قیامت ہے اور اگر یہ ہمارے عقیدے تمہاری فکر کے مطابق جھوٹے اور بے بنیاد ہوں تب بھی ہمیں کوئی نقصان نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ ہم نے کچھ بے کار کام انجام دیئے ہوں گے لیکن دوسرے رخ سے بھی سوچو! اگر وہ سب درست ہو جو ہم کہتے ہیں، بہشت ہو، جہنم ہو اور ایک خالق ہو اور تم ان سب چیزوں کا انکار کرتے ہو، اگر یہ باتیں سچ ہوئیں تو تم کیا کرو گے اور تمہیں کتنا گھاٹا اٹھانا پڑے گا؟ ابن ابی العوجاء یہ سن کر سُست پڑ گیا اور کہنے لگا صحیح بات ہے اگر یہ سب کچھ صحیح نکلاتو مجھے بڑا نقصان اٹھانا پڑے گا۔ حضرت نے اس کے ذہن کو جھٹکا دیا کہ کم سے کم اسے اپنی بات کے غلط ہونے کا احتمال ہو جائے۔

ایک روز انہیں زندیقیوں میں سے ایک شخص امام کی خدمت میں آیا۔ اس کا نام عبدالملک بن عبداللہ تھا۔ وہ حضرت سے بحث کرنا چاہتا تھا۔ حضرت نے پہلے ہی اس سے اس کے نام کے بارے میں سوال کر دیا: ”تم کون ہو اور تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا: عبدالملک بن عبداللہ۔ امام نے سوال کیا: پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ یہ ملک کون ہے جس کے تم بندے ہو؟ یہ آسمان کا ملک ہے یا زمین کا ملک ہے؟ چونکہ ملک اور بادشاہ سے مراد یہاں پر ذات خداوند تھی اسی لئے آپ نے پوچھا کہ پہلے مجھے بتاؤ کہ تم جس بادشاہ کے غلام ہووہ کون سا بادشاہ ہے؟ حضرت کبھی کبھی ان کے نام کو ہی مرکز بنا کر بحث شروع کر دیتے تھے اس لئے کہ وہ اپنے نام کو تو کم سے کم مانتے ہی تھے۔ پھر آپ نے فرمایا: تمہارے باپ کا نام عبداللہ ہے۔ یہ کس خدا کا بندہ ہے اور وہ خدا کہاں کا خدا ہے؟ آسمان کا خدا ہے یا زمین کا؟ وہ کون سا خدا ہے جس کا یہ بندہ ہے؟ پہلے مجھے ان سب کا جواب دو پھر مجھ سے بحث کرنا؟ وہ شخص مات و مبہوت رہ گیا اور بحث اپنے اگلے مرحلے میں داخل

نہ ہوسکی۔ امام نے ایسا اس لئے کیا کیونکہ وہ سمجھنے کے لئے نہیں بلکہ فقط بحث و جدال کرنے کے لئے آیا تھا۔

حضرت موقع محل دیکھ کر اس طرح سے بھی مخالفین کا مقابلہ کرتے تھے۔ چونکہ محاذ مختلف تھے، افراد مختلف تھے لہذا ان سے مقابلے کے لئے آپ مختلف طریقے اختیار کیا کرتے تھے۔ دوسرے فرقوں اور فکری محاذوں پر بھی آپ اسی طرز استدلال سے اپنی بات پیش کرتے یا دفاع کرتے تھے۔ میں آپ کے مناظروں میں سے نمونہ کے طور پر ابو حنیفہ سے ہونے والا ایک مناظرہ پیش کرتا ہوں۔ یہ احتجاج طبرسی میں ہے۔ آپ کے علم میں ہوگا کہ احتجاج طبرسی ان مناظرات سے مخصوص ہے جو چہارہ معصومین (ع) نے مختلف ابواب میں انجام دیئے ہیں۔ یہ ایک اچھی اور قیمتی کتاب ہے۔ اگر اس کا مطالعہ کرنا چاہیں تو تحقیق شدہ ایڈیشن کا مطالعہ کریں۔ میرے پاس نجف کا پرانہ ایڈیشن ہے لیکن امام صادق (ع) فاؤنڈیشن قم سے سات آٹھ سال قبل اس پر تحقیق کی گئی ہے اور محققین سے جہاں تک ہو سکا ان مناظرات کے مصاور ڈونڈہ نکالے ہیں۔ احتجاج طبرسی میں امام کا ابو حنیفہ کے ساتھ ہونے والا مناظرہ نقل ہوا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ابو حنیفہ اہل قیاس تھے یعنی مسائل کو ایک دوسرے سے جوڑتے تھے اور پھر جس مسئلے کا حکم معلوم ہوتا تھا اس کے مشابہ مسئلے پر اسی کے مشابہ حکم لگادیتے تھے۔ اس طرح ابو حنیفہ کے اکثر فتوؤں کا مبنی رائی اور قیاس ہے، برخلاف حنبلیوں کے کہ وہ حدیث اور منقول سے زیادہ استفادہ کرتے ہیں۔ حنبلی سب سے پہلے قرآن سے استناد کرتے ہیں اور وہ بھی ظواہر قرآن سے مثلاً قرآن میں آیا کہ ”اولا مستم النساء“ یعنی جن چیزوں کے بعد نماز کے لئے غسل یا تیمم کرنا ضروری ہے ان میں ”لمس النساء“ بھی ہے۔ یہاں لمس سے مراد جماع ہے لیکن حنبلیوں کے بقول لمس سے مراد وہی لمس کرنا اور چھونا ہے۔

”افق حوزہ“ میں ابھی حال ہی میں علامہ عسکری کا سوڈانی علماء سے مناظرہ شائع ہوا ہے۔ علامہ نے سوڈانی علماء سے بحث کی تھی جن میں سے ایک شافعی تھے۔ علامہ نے ان سے پوچھا کہ امام شافعی کا فتویٰ ہے کہ ”لمس النساء“ سے وضو باطل ہو جاتا ہے۔ شافعی نے یہ بات کہاں سے اخذ کی ہے کہ عورت کو چھونے سے وضو باطل ہو جاتا ہے۔ شافعی عالم جواب دیتے ہیں کہ اس آیت کے ظاہر سے ”اولا مستم النساء“۔ یہ شافعی تھے اسی طرح حنبلی افراد ظواہر آیات اور ظواہر روایات سے بہت زیادہ چپکے ہوئے ہیں۔ مجاز کو نہیں مانتے۔ ہر مجاز کو حقیقت پر حمل کرتے ہیں جبکہ ہر زبان میں مجاز کا استعمال عام ہے۔

بہر حال ابو حنیفہ اہل قیاس تھے۔ امام (ع) ابو حنیفہ کو سمجھانا چاہتے تھے کہ قیاس نہ کیا کرے۔ ہر جگہ قیاس سے صحیح نتیجہ اخذ نہیں ہوتا ہے اور فقہ و فتویٰ وحی سے ماخوذ ہونا چاہیئے نہ کہ اپنی ذاتی رائی سے۔ اسے سمجھانے کے لئے آپ نے ابو حنیفہ سے چند سوالات کئے۔ آپ نے پوچھا کہ بتاؤ نفس محترمہ کے قتل میں گناہ زیادہ ہے یا زنا میں۔ ابو حنیفہ نے کہا: قتل میں اور یہ درست بھی ہے۔ خداوند متعال فرماتا ہے ”مَنْ قَتَلَ نَفْسًا... فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا“ (جو کسی ایک انسان کو قتل کرے گویا اس نے سارے انسانوں کو قتل کر دیا ہے) یا دوسرے مقام پر فرماتا ہے: ”وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا“ (جو کسی بندہ مومن کو جان بوجہ کر قتل کر دے اس کی سزا جہنم ہے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا)۔ حضرت نے پوچھا کہ قتل کا مفسدہ اور گناہ زیادہ ہے یا زنا کا؟ ابو حنیفہ نے کہا: قتل کا۔ آپ نے فرمایا: اگر ایسا ہے تو پھر کیوں قتل کے ثبوت کے لئے دو گواہ کافی ہوتے ہیں لیکن زنا کے ثابت ہونے کے لئے چار گواہوں کا ہونا ضروری ہے؟ اگر اس مسئلے کو عقل سے حل کر سکتے ہو تو کر کے دکھاؤ کہ اس کا راز کیا ہے؟ ابو حنیفہ کوئی جواب نہ دے سکے۔

حضرت نے پھر پوچھا کہ بتاؤ منی کی نجاست زیادہ ہے یا پیشاب کی ؟ ابو حنیفہ نے کہا : پیشاب کی۔ آپ نے فرمایا : اگر پیشاب کی نجاست زیادہ ہے تو ایسا کیوں ہے کہ پیشاب کے بعد صرف نجس مقام دھل دینا کافی ہے لیکن منی نکلنے کے بعد غسل کرنا واجب ہے ؟ عقلی بنیاد پر بڑی نجاست کے ازالہ کے لئے غسل کا حکم ہونا چاہیئے جب کہ ایسا نہیں ہے۔ ایسا کیوں ہے ؟

پھر حضرت نے تیسرا سوال کیا کہ بتاؤ نماز کی اہمیت زیادہ ہے یا روزہ کی ؟ ابو حنیفہ نے کھانماز کی ۔ آپ نے فرمایا : اگر نماز کی اہمیت زیادہ ہے تو پھر ایسا کیوں ہے کہ عورت سے حالت حیض میں جو نمازیں چھوٹی ہیں اس پر ان کی قضا واجب نہیں ہے لیکن مذکورہ حالات میں جو روزے چھوٹتے ہیں ان کی قضا واجب ہے ؟ عقل کی روشنی میں نماز کی قضا واجب ہونی چاہیئے اس لئے کہ نماز کی اہمیت روزہ سے زیادہ ہے ۔ امام (ع) ابو حنیفہ کو متوجہ کرنا چاہتے تھے کہ عقل اور قیاس کو بنیاد بنا کر سارے کے سارے فقہی مسائل حل نہیں کئے جاسکتے۔

جو حضرات کچھ دیر سے تشریف لائے ہیں ان کی خدمت میں عرض کردوں کہ ناچیز کو جہاں کہیں بھی کسی جلسے میں تقریر کے لئے بلا یا جاتا ہے تو اگر بانیان جلسہ کی طرف سے کوئی پابندی نہ ہوتو میں جلسے کا زیادہ وقت سامعین کے سوالات کے لئے مخصوص کر دیا کرتا ہوں خاص طور سے اس طرح کے علمی جلسات میں ۔ میرا خیال ہے کہ اس طرح کے جلسات میں مقرر کی گفتگو کم سے کم ہونی چاہیئے اس لئے کہ نہیں معلوم جو باتیں مقرر پیش کر رہا ہے وہ سامعین کے لئے مفید بھی ہیں یا نہیں ؟ ہو سکتا ہے سننے والوں کے نزدیک ان کے اذہان میں موجود سوالات کی اہمیت مقرر کی گفتگو سے زیادہ ہو لہذا میرے خیال سے جلسہ کا بقیہ وقت سوالات و جوابات سے مخصوص کر دیا جائے تاکہ اپنی استطاعت بھر آپ کے سوالات کے جوابات عرض کیئے جا سکیں ۔

سوالات و جوابات سوال :

امام صادق علیہ السلام کے پاس چار ہزار شاگرد تحصیل علم کرتے تھے، کیا اتنے افراد آپ کی نصرت کے لئے کافی نہیں تھے کہ آپ قیام فرماتے ؟

جواب : اس سوال کا جواب ہم نے سیرئہ پیشوایان میں دیا ہے۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ آپ کے شاگردوں کی تعداد چار ہزار تھی ۔ یہ مجموعی تعداد بتائی جاتی ہے۔ ایک وقت میں ایک جگہ چار ہزار شاگرد نہیں تھے ۔ شاگردوں کا ایک گروہ آتا تھا کسب فیض کر کے چلا جاتا تھا پھر دوسرا گروہ آجاتا تھا ۔ اس طرح شاگردوں کے لئے آپ کا دروازہ کھلا رہتا تھا لوگ آتے تھے اور کسب فیض کر کے چلے جاتے تھے۔ دوسری بات یہ کہ ہر شخص میں اپنی مخصوص صلاحیت ہوا کرتی ہے ۔ اگر یہ سب لوگ مثلاً فلسفہ اور کلام یا دیگر علوم میں استادانہ صلاحیت رکھتے تھے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ فنون حرب میں بھی مہارت رکھتے تھے ۔ یہ سب علمی شخصیات تھیں ۔ فوجی صلاحیت بعض میں تھی لیکن بعض میں نہیں تھی ۔

ابو مسلم خراسانی اور ابو سلمہ خلال نے بنی عباس کے قیام کے آغاز میں آپ کو تحریک کی اور قیادت سنبھالنے کی پیشکش کی لیکن آپ نے اسے قبول نہیں کیا ۔ بھر صورت ایک ایسی فوجی طاقت امام کے پاس نہیں تھی جس کے ذریعہ اسلامی حکومت تشکیل دی جاتی اور اسے چلایا جاتا ۔

سوال: قرآن مجید نے اللہ کی راہ میں قیام کرنے پر بہت تاکید کی ہے خواہ افراد کی تعداد اور قوت کم ہی کیوں نہ ہو ” قل انما اعظکم بواحدة ان تقوموا لله مثنی و فرادی“۔ امام حسین(ع) نے مختصر ساتھیوں سمیت یزید کے خلاف قیام کردیا لیکن چٹھے امام نے کیوں نہیں قیام فرمایا ؟

جواب : کسی بھی کام کے لئے ماحول ساز گار ہونا بہت ضروری ہے، امام حسین(ع) نے بھی معاویہ کے دور حکومت میں دس سال تک قیام نہیں کیا ! اس دور کے حالات کو میں نے سیرۂ پیشوایان میں ذکر کیا ہے کہ معاویہ کے زمانے میں امام حسین(ع) کے قیام کا نہ ہی کوئی امکان تھا اور نہ ہی فائدہ، لیکن یزید کے زمانے کے جو حالات تھے وہ جنگ اور اس کے خلاف قیام کے لئے مفید تھے۔ معاویہ کے زمانہ میں ایسے حالات قطعاً نہیں تھے۔ جنگ کے لئے ضروری شرائط ہوا کرتے ہیں تاکہ قیام مفید ہو سکے۔ اس طرح کے حالات امام صادق(ع) کے زمانہ میں فراہم نہ تھے۔

سوال : ثقافتی یلغار کی تعریف کیا ہے ؟ اس کے تحت کیا کیا چیزیں آتی ہیں ؟

جواب : چند سالوں سے اسلامی جمہوریہ ایران میں یہ اصطلاح خاصی رائج ہے۔ ”ثقافتی یلغار“ (Cultural Attack) کلچر یا تہذیبی طرز فکر کے رائج کرنے کو کہا جاتا ہے۔ ایک فوجی حملہ ہوتا ہے اور ایک ثقافتی حملہ۔ کسی ملک پر لشکر کشی اور بمباری وغیرہ فوجی حملہ ہے جیسے امریکہ کا افغانستان پر حملہ آور ہو کر اس پر قابض ہونا یا عراق پر حملہ کرنا لیکن فوجی حملہ کے ساتھ ساتھ امریکہ ثقافتی یلغار بھی کرتا ہے۔ خبریں مل رہی ہیں کہ انہوں نے افغانستان میں تہذیبی سرگرمیاں شروع کردی ہیں۔ فوجی حملہ کر کے اس وقت عراق پر قابض ہے لیکن ثقافتی یلغار بھی جاری ہے۔ خبروں میں تھا کہ عراق کی عبوری حکومت کے ایک رکن نے ایک امریکی چینل پر پابندی لگانے کا مطالبہ کیا ہے اس لئے کہ یہ چینل فحاشی کو فروغ دینے میں مصروف ہے اور اس طرح اپنی تہذیب کو رائج کرنا چاہتا ہے۔ تہذیبی حملہ ایک ایسا حملہ ہوتا ہے جس میں کسی گھر یا علاقہ پر قبضہ نہیں کیا جاتا بلکہ آدمی کی فکر پر قبضہ کیا جاتا ہے۔ ایران میں بھی یہ کام مختلف ذرائع سے کیا جا رہا ہے اور اس پر امریکہ ایک بڑا بجٹ صرف کرتا ہے جس کے نتیجہ میں آپ ملاحظہ کر رہے ہیں۔ اسلامی جمہوریہ ایران میں مختلف شکوک و شبہات اچھالے جاتے ہیں۔ دین کے لئے اپنی اپنی فکر پے ش کی جاتی ہے جو کہ واقعاً ایک بڑی خطرناک چیز ہے۔ کہتے ہیں کہ تم جو قرآن کی تفسیر کر رہے ہو کیسے معلوم کہ یہ تفسیر صحیح ہے میں جو تفسیر کرتا ہوں وہ صحیح ہے۔ آپ کا اجتہاد خطا ہے میرا اجتہاد صحیح ہے۔ اسلام کے لئے اپنا اپنا مفہوم پیش کرنا واقعاً خطرناک ہے۔

کہتے ہیں کہ یزید نے امام حسین(ع) کو اس لئے قتل کیا کیونکہ امام حسین(ع) کے نانا رسول اللہ (ص) نے جنگ بدر و احد وغیرہ میں یزید کے اجداد کو قتل کیا تھا۔ یزید نے بھی آکے انتقام لے لیا ”ضربة بضربة“ جب کہ آپ جانتے ہیں کہ ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ پیغمبر نے اگر اس وقت انہیں مارا تھا تو اس لئے کہ وہ کفر و نفاق کی نمائندگی کرتے ہوئے آپ کے مقابلے میں آئے تھے۔ اس طرح افکار پر قبضہ کرنے کو تہذیبی حملہ کہتے ہیں جو جمہوری اسلامی ایران اور افغانستان میں پوری طاقت سے کیا جا رہا۔